انیسواں پارہ

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

سورۃ الفرقان

سورۂ فرقان مکی ہے اس میں ۷۷ آیات اور ٦ رکوع ہیں ، اس سورت کے پہلے دو رکوع اٹھارہویں پارہ کے آخر میں گزر چکے ہیں، اس سورت کی ابتداء قرآن کریم کے ذکر سے ہوئی ہے جس کے بارے میں مشرکین مختلف قسم کے اعتراضات اٹھاتے اور اس کی آیات کو جھٹلاتے تھے، ایک گروہ اسے گزشتہ قوموں کے قصے اور کہانیاں قرار دیتا تھا، دوسرا گروہ اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا افتراء اور ایسی تخلیق کہتا تھا جس میں اہل کتاب نے آپ کے ساتھ تعاون کیا تھا، تیسرے گروہ کے خیال میں یہ واضح تھا۔(١-٦)

قرآن کے بعد صاحبِ قرآن یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے ، ضدی اور معاند لوگ آپ کی تکذیب کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ رسول ، بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہوتا ہے اور اگر بالفرض انسانوں میں سے کسی کو نبوت ورسالت ملے بھی تو وہ دنیاوی اعتبار سے خوشحال اور سربرآوردہ لوگوں کو ملتی ہے، کسی غریب اور یتیم کو ہرگز نہیں مل سکتی۔(۷-۹) اللہ تعالیٰ نے ان کی خام خیالیوں اور باطل دعاوی کی تردید واضح دلائل سے کی ہے۔

انیسویں پارہ کا آغاز بھی مشرکین کے دعاوی، اعتراضات اور لایعنی قسم کے مطالبات سے ہوتا ہے، مثال کے طور پر وہ بعض اوقات کہتے تھے کہ ''ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جاتے یا (ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ) ہم اپنے پروردگار کو دیکھ لیں۔'' (۲۱) اس کے جواب میں فرمایا گیا فرشتوں کو یہ اس وقت دیکھ پائیں گے جب وہ ان کی روحیں قبض کرنے کے لئے آئیں گے اور جب یہ فرشتوں کو دیکھ لیں گے تو ان کے لئے کوئی خوشخبری نہیں ہوگی، چونکہ قبولیتِ اعمال کی بنیادی شرط یعنی ایمان سے یہ خالی ہیں اس لیے قیامت کے دن ان کے اعمال بھی کسی کام نہیں

آئیں گے اور وہ خاک بن کر اڑ جائیں گے، وہ دن ان کے لئے بڑا سخت ثابت ہوگا، یہ ندامت کی وجہ سے اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش ! ہم نے پیغمبر کا راستہ اختیار کیا ہوتا، اس دن اللہ کا رسول، اللہ کے حضور شکایت کرے گا کہ اے میرے رب! میری قوم نے قرآن چھوڑ دیا تھا، امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کو چھوڑنے کی کئی صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ نہ قرآن کو سنے، نہ اس پر ایمان لائے، دوسری یہ کہ پڑھتا بھی ہو اور ایمان بھی رکھتا ہو لیکن اس پر عمل نہ کرتا ہو، تیسری یہ کہ زندگی کے معاملات اور تنازعات میں اسے حکم نہ بنائے، چوتھی یہ کہ اس کے معانی میں غور و تدبر نہ کرے، پانچویں یہ کہ قلبی امراض میں اس سے شفا حاصل نہ کرے۔

میرے محترم قارئین! اگلی سطریں پڑھنے سے پہلے کچھ دیر کے لئے رُک جایئے اور چند لمحوں کے لئے پہلے اپنے بارے میں اور پھر پوری اُمت کے بارے میں بے لاگ فیصلہ کیجئے کہ آج ہم کس کس انداز میں قرآن کو چھوڑ چکے ہیں اور یہ بھی سوچیے کہ جب ہم مہلک روحانی اور اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہونے کے باوجود نہ پرہیز کرتے ہیں اور نہ وہ آسمانی دوا استعمال کرتے ہیں جس میں یقینی شفا ہے تو اس کا نتیجہ مزید بیماریوں میں مبتلا ہونے اور ہلاکت کے سوا کوئی نکل سکتا ہے؟ یقیناً نہیں اور ہرگز نہیں۔

مشرکین یہ اعتراض بھی اٹھاتے تھے کہ جیسے تورات اور انجیل یکبارگی نازل ہوگئیں یونہی قرآن بھی یکبار کیوں نہیں نازل ہوجاتا؟ ظاہر ہے کہ تدریجاً قرآن نازل ہونے میں کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں مثلاً اس کا حفظ کرنا، اس کے معانی کا سمجھنا، احکام کا ضبط کرنا اور عمل کرنا آسان تھا لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک حکمت بیان کی ہے وہ یہ کہ تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا قلبِ مبارک نورِ قرآن سے منور ہوتا رہے، اس کے حقائق اور علوم سے آپ کی روح کو غذا اور دل کو تقویت حاصل ہو، جاننے والے جانتے ہیں کہ یکا یک برسنے والی تیز بارش کھیتی کو تباہ کر دیتی ہے لیکن مناسب وقت تک بتدریج برس کر زمین کے سوتوں

میں جذب ہونے والی بارش سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ان اعتراضات کے بعدرسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوتسلی دینے کے لئے حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت نوح، حضرت ہود، اورحضرت صالح علیہما السلام کی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے، علاوہ ازیں اللہ کی قدرت ووحدانیت کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔(۴۵-۴۹)اس سورت کے آخر میں ''عبادالرحمٰن'' (رحمٰن کے مخصوص بندوں) کی تیرہ صفات ذکر کی گئیں ہیں یعنی تواضع، جاہلوں سے اعراض، راتوں کونماز وعبادت، جہنم کے عذاب سے خوف، خرچ کرنے میں اعتدال، نہ فضول خرچی اورنہ ہی بخل، شرک سے مکمل اجتناب، قتلِ ناحق سے بچ کررہنا، زنااوربدکاری سے اپنے آپ کو بچا کررکھنا، جھوٹی گواہی سے احتراز، گانے بجانے اوربرائی کی مجالس سے پہلوتہی، اللہ کی کتاب سن کر متاثر ہونا اوراس سے فائدہ اٹھانا، اللہ تعالیٰ سے نیک بیوی بچوں کی دعااوریہ دعا کہ ہمیں ہادی اورمہتدی بنادیا جائے۔(۶۳-۷۴) آیئے قارئین! اگلی سورت کے مطالعہ سے قبل ہم اللہ تعالیٰ سے دُعاکرلیں کہ اے رحیم وکریم تومحض اپنے فضل وکرم سے یہ تیرہ صفات ہمارے اندر پیدا فرماکرہمیں بھی''عبادالرحمٰن'' میں شامل فرمالے۔

سورۃ الشعراء

سورۃ الشعراء مکی ہے، اس میں ۲۲۷ آیات اور ۱۱ رکوع ہیں، اس سورت کی ابتداء حروفِ مقطعات میں سے ''طسم'' کے ساتھ ہوئی ہے اورعمومی اسلوب کے مطابق اس کے فوراً بعد بندوں پراللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان جوکہ قرآن کی صورت میں ہے اس کا ذکر ہے، قرآن کے بارے میں ایک احساسِ ذمہ داری تورسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جوکہ اس کے علوم ومعارف اوراحکام بندوں تک پہنچانے میں اپنی جان کو ہلکان کیے ہوئے تھے اورآپ کے دل میں انسانیت کی ہدایت کا ایسا درد تھا جولگتا تھا کہ آپ کی جان ہی لے لے گا(۲-۳) دوسرارویہ مخالفین کا تھا جن کے سامنے نصیحت اورہدایت کی جوبھی بات آتی تھی اس سے اعراض کرنا

ضروری سمجھتے تھے۔(۵-۶)اس کے بعد اس سورت میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے بیان گئے ہیں، ان قصوں کی ابتداء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ہوتی ہے، انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرما کر فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا، آپ حکمِ باری کی تعمیل میں خدائی کے اس جھوٹے دعوے دار کے دربار میں پہنچے، اس موقع پر فرعون اور آپ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کی چند جھلکیاں اللہ نے سورۂ شعراء میں ذکر فرمائی ہیں، فرعون نے سب سے پہلے اپنے احسانات ذکر کئے کہ میں نے تمہاری تربیت کی تھی۔ آپ نے فرمایا تمہیں احسان جتلانے کا کیسے حق پہنچتا ہے جبکہ تم نے میری قوم کو غلام بنا رکھا ہے، اس نے قتل کا واقعہ یاد دلایا جو اتفاقاً آپ کے ہاتھوں ہو گیا تھا، آپ نے جواب دیا کہ میں نے عمداً قتل نہیں کیا تھا بلکہ غلطی اور خطا سے مجھ سے یہ فعل سرزد ہو گیا تھا، فرعون نے تکبر اور استہزاء کے ساتھ سوال کیا یہ ''رب العالمین'' کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ''رب العالمین'' وہ ہے جس نے ارض وسما کو پیدا کیا ہے، ان دونوں میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ تمہیں بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور تمہارے آباء کو بھی اسی نے پیدا کیا تھا، وہی مشرق سے سورج کو طلوع کرتا اور مغرب میں غروب کرتا ہے، فرعون اول فول بکتا رہا لیکن آپ نے ''رب العالمین'' کی تعریف اور تعارف تفصیل کے ساتھ ذکر کیا، پھر وہ دھمکیوں پر اتر آیا، آپ نے اسے معجزہ دکھانے کی پیشکش کی، اس کے کہنے پر آپ نے لاٹھی زمین پر ڈال دی جو کہ اژدہا بن گئی، ہاتھ کو کپڑے سے باہر نکالا تو وہ سورج کی طرح چمکنے لگا، اس کی چمک سے فرعون اور درباریوں کی آنکھیں چندھیا گئیں، اس معجزہ کو اس نے سحر پر محمول کیا اور آپ کو نیچا دکھانے کے لئے پورے مصر سے نامی گرامی ساحروں کو جمع کرلیا، مصریوں کے سالانہ جشن اور عید کے دن ایک بڑے میدان میں لاکھوں کے مجمع کے سامنے مقابلے کا آغاز ہوا، ساحروں کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑتے ہوئے سانپ محسوس ہونے لگیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ سارے سانپوں کو ہڑپ کرگئی، میدان صاف ہو گیا، ساحر حقیقت سمجھ گئے، فوراً ''رب العالمین'' کے سامنے سجدے میں گرکر انہوں نے ایمان قبول

کرلیا،فرعون کی مار دھاڑ کی دھمکیوں کے باوجود وہ ایمان پر جمے رہے،حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کورات کی تاریکی میں مصر سے لے کرنکل گئے،صبح ہوئی تو فرعون نے لاکھوں کالشکر لے کرتعاقب کیا، بالآخر دریا کے کنارے بنی اسرائیل کو جالیا، دریا میں راستے بن گئے جن سے گزر کر بنی اسرائیل نجات پاگئے اورفرعون لاؤلشکر سمیت غرق ہوگیا، اس قصہ سے سبق ملا کہ بالآخراہل حق کامیاب ہوتے ہیں اورظالموں کا مقدر ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔(۱۰-۶۸)

دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیان ہوا ہے جن کے والد آزر اورقوم بتوں کی عبادت کرتی تھی،آپ نے ان کو بڑی حکمت کے ساتھ ایمان وتوحید کی دعوت دی،اس پر پانچ دلائل اوراللہ تعالیٰ کی پانچ صفات بیان کیں۔

(۱) وہ میرا خالق وہادی ہے۔(۲)وہ رازق ہے۔(۳)وہ بیماریوں سے شفا دیتا ہے۔(۴)وہی موت دے گا، وہی زندہ کرے گا۔(۵) وہ دنیا وآخرت میں گناہ معاف کرنے والا ہے۔

ان پانچ صفات کے مقابلے میں پانچ دعائیں بھی کیں جوکمالِ ایمان اورصدقِ یقین کی نشاندہی کرتی ہیں:

(۱)اے اللہ مجھے فہم وعلم عطا فرما۔(۲)لوگوں میں میرا اچھا ذکر جاری فرما۔(۳)مجھے جنت میں جگہ عنایت فرما۔(۴)میرے والد کومعاف کردے (یہ دعا اس وقت کی تھی جبکہ والد کا کفر پر اصرار آپ کے سامنے واضح نہیں ہوا تھا)(۵)مجھے آخرت میں رسوانہ فرمانا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے ہمیں یہ سبق ملا کہ انسان کو ہر حال میں اللہ ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔(۶۹-۱۰۴)

تیسرا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہے جنہوں نے اپنی قوم کوساڑھے نوسوسال ایمان کی دعوت دی،لیکن وہ مان کرنہ دیئے۔چنانچہ ان سب کوغرق کردیا گیا،اس قصے سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہدایت اسی کوملتی ہے جسے اللہ چاہتا ہے۔(۱۰۵-۱۲۲)

چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام کا ہے جو قوم عاد کے نبی تھے، یہ لوگ جسمانی قوت، عمر کی طوالت اور خوش حالی کے اعتبار سے دنیا کی ایک نمایاں قوم تھے، انہوں نے بغیر ضرورت کے بڑے بڑے محلات تعمیر کر رکھے تھے، انہوں نے بھی ایمان کی دعوت کو ٹھکرادیا، چنانچہ ان پر اللہ کا عذاب آکر رہا، ان کے قصے سے یہ نصیحت ملی کہ فضول خرچی، نمود ونمائش، بلاضرورت تعمیرات اور تکبر کا انجام کبھی بھی اچھا نہیں ہوتا۔(۱۲۳-۱۴۰)

پانچواں قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے، ان کی قوم کو مادی وسائل، رزق کی فراوانی اور امن وتحفظ حاصل تھا، سرسبز باغات اور بارونق زمینوں میں آباد تھے لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کا شکر نہ کیا۔ چنانچہ ان کو زلزلے کے ذریعے ہلاک کردیا گیا...... ہر ناشکری قوم کا انجام یہی ہوتا ہے۔(۱۴۱-۱۵۹)

چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جن کی قوم فسق وفجور، شہوت پرستی اور بدکاری میں حد سے بڑھ گئی تھی، وہ ایسا عمل کرتے تھے جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا جس سے حیوان بھی نفرت کرتے ہیں، ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسی اور ان کا نام ونشان مٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ دوسرے قصوں کی طرح اس قصے کے آخر میں بھی فرماتے ہیں: ''بیشک اس میں نشانی ہے، ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔'' نشانی اور عبرت یہی ہے کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل میں حد سے تجاوز کرنے والی قوم اور فرد کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔(۱۶۰-۱۷۵)

ساتواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے، ان کی قوم کو اللہ نے مختلف نعمتیں عطاء فرمائی تھیں، گھنے جنگلات تھے، ثمر بار باغات تھے، میٹھے پانی کے چشمے تھے لیکن یہ اللہ کی نافرمانی میں مبتلاء ہوگئے، ان کے مختلف معاصی میں سے ایک بڑی معصیت یہ تھی کہ وہ حقوق العباد کی ادائیگی میں ڈنڈی مارتے تھے، جب سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو اللہ نے ان کو عذاب دینے کا فیصلہ کیا، کئی دن تک سخت گرمی رہی پھر بادل چھاگئے، یہ لوگ ٹھنڈک کے حصول کے لئے بادل کے نیچے جمع ہوگئے، بادلوں سے آگ برسنے لگی، زمین پر زلزلہ طاری ہوگیا اور یہ دیکھتے ہی

دیکھتے کوئلہ بن کر رہ گئے۔(۱۷۶-۱۹۱) قوم شعیب کا واقعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ حقوق العباد غصب کرنا اللہ کے عذاب اور غضب کو دعوت دینے والا عمل ہے۔ جیسے اس سورت کی ابتداء قرآنِ عظیم کے ذکر سے ہوئی تھی اسی طرح اس کا اختتام بھی قرآن کریم کے حوالے سے مشرکین کے باطل اعتراضات کی تردید سے ہو رہا ہے۔(۲۲۷-۲۲۱)

سورۃ النمل

سورۂ نمل مکی ہے، اس میں ۹۳ آیات اور ۷ رکوع ہیں، اس کا آغاز حروف مقطعات میں سے (طٰسٓ) سے ہو رہا ہے۔ نمل کو چیونٹی کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورت میں چیونٹی کا قصہ بیان ہوا ہے اس لئے اس کا نام نمل ہے۔ سورۂ نمل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ ان تین سورتوں میں سے ایک ہے جو جس ترتیب سے نازل ہوئیں اسی ترتیب سے قرآن کریم میں موجود ہیں، یعنی شعراء، نمل اور قصص۔ حروف مقطعات والی دوسری سورتوں کی طرح اس کی ابتدا بھی قرآن کریم کی عظمت اور تعارف سے ہو رہی ہے، بتایا گیا کہ یہ ان لوگوں کے لئے کتابِ ہدایت ہے جو اہل ایمان ہیں (۱-۳)، اس کے بعد حضرت موسیٰ، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کے قصے اجمالی طور پر اور حضرت داؤد اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ قدرے تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اللہ نے انسانوں، جنوں اور پرندوں کو مسخر کیا تھا اور وہ پرندوں کی زبان بھی جانتے تھے، ان کے جو حالات اللہ نے ذکر فرمائے ہیں ان کی چند جھلکیاں درج ذیل ہیں:

☆ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر اپنے لشکر کے ساتھ چیونٹیوں کی وادی کے پاس ہوا تو انہوں نے سنا کہ ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی کہ جلدی سے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ! کہیں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے۔“ آپ نے اس کا کلام سن لیا، آپ مسکرائے اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ تو نے مجھے بہت سی نعمتیں عطاء کی ہیں، جن میں سے ایک نعمت پرندوں اور حیوانوں کی بولی سمجھنا بھی ہے۔(۱۸-۱۹)

☆ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں مستقل حاضر باش پرندوں میں سے ایک پرندہ ہد ہد بھی تھا، اس نے ایک دن آپ کو ملکہ سبا اور اس کی قوم کے بارے میں اطلاع دی کہ وہ سورج کی عبادت کرتے ہیں، آپ نے خط بھیج کر ملکۂ سبا کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کے لئے کہا، ملکۂ سبا کو اپنے مادی اسباب پر بڑا ناز تھا، لیکن جب اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے محلات اور ان کا جدید ترین ساز وسامان دیکھا تو اسے اپنی قوت وطاقت ہیچ محسوس ہوئی۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کرلیا۔ (۲۰-۴۴) حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اختصار کے ساتھ حضرت صالح اور حضرت لوط علیہما السلام کا قصہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو ایمان کی دعوت دی تو وہ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی یعنی مومن اور کافر، کافروں میں نو لیڈر قسم کے سردار تھے جنہوں نے آپس میں قسمیں کھا کر یہ طے کیا تھا کہ ہم رات کو اچانک حملہ کرکے اللہ کے نبی کو قتل کردیں گے لیکن اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی لپیٹ میں آگئے اور ان کا نام لینے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔ (۴۵-۵۳)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی آنکھوں کے سامنے ایسا اندھیرا چھایا اور ان کے دل ایسے تاریک ہوگئے کہ وہ دنیا کی بدترین بدکاری کو اچھا سمجھنے لگے اور ان کی نظر میں وہ شخص مجرم ٹھہرتا جو اس برائی سے انہیں منع کرتا اور جو سر سے پاؤں تک اس گناہ کی نجاست میں غرق ہوتا اسے وہ سمجھدار خیال کرتے، بالکل وہی صورت تھی جو آج کل ہمیں درپیش ہے، نیکی کی راہ پر چلنے والوں کو دقیانوسی اور نامعلوم کیا کچھ کہا جاتا ہے جبکہ برائی کا ساتھ دینے والوں کو ترقی پسند اور روشن خیال سمجھا جاتا ہے، جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو ان کی بستیوں کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش بھی شروع ہوگئی، یوں وہ دنیا بھر کے لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بن گئے۔ (۵۴-۵۹)